www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسئلۂ تکفیر و خروج اور پاکستانی جمہوریت

اسلام آباد میں قائم این جی او 'پاکستان انسٹیٹیوٹ آف پیس سٹڈیز' PIPS نے چند ماہ سے "تکفیر وخروج" کے موضوع پر پاکستان کے اہل علم و دانش کے مابین مکالمہ ومباحثہ کا سلسلہ شروع کر رکھا ہے۔ 'مطالعۂ امن' کے نام سے سرگرم یہ ادارہ پاکستان کے حوالے سے انگریزی زبان میں 'ریجنل واچ'، اہم جائزوں اور رپورٹوں کی اشاعت کے علاوہ کم وبیش تین برس سے 'تجزیات' کے نام سے ایک سہ ماہی مجلہ بھی شائع کر رہا ہے۔ ان رپورٹوں کا لب ولہجہ اور پیش کردہ رجحان کم وبیش وہی ہوتا ہے جو 'تجزیات' کے مضامین کا ہے۔ کچھ عرصہ سے اس این جی او نے پاکستان کے دینی مدارس اور مذہبی شخصیات کو بطورِ خاص اپنی توجہ کا مرکز بنالیا ہے۔ اس حوالے سے دینی مدارس کے تمام وفاقوں کے پوزیشن ہولڈر طلبہ کو انعام دینے کے سلسلے کا بھی آغاز کر دیا گیا ہے۔ ایسے ہی بعض دینی مدارس کے تعاون کے ساتھ، کسی بھی ریجن کے ممتاز مدارس کے نمائندہ طلبہ کی ورکشاپیں بھی منعقد کی جارہی ہیں جس کی ایک کڑی مؤرخہ ۲۱/نومبر ۲۰۱۱ء کو لاہور کے جامعہ نعیمیہ میں مدارسِ دینیہ کے طلبہ کی ایک ورکشاپ تھی جس کی رپورٹ قومی اخبارات میں شائع ہو چکی ہے۔ تکفیر وخروج کے موضوع پر جاری مباحثہ بھی مدارسِ دینیہ اور پاکستان کے دینی ماحول میں خصوصی دلچسپی کا غماز ہے۔

تکفیر وخروج کے حوالے سے پہلا مکالمہ مؤرخہ ۲۱/ ستمبر ۲۰۱۱ء کو اسلام آباد کی نیشنل لائبریری اسلام آباد میں مختلف شہروں سے مدعو کئے جانے والے اہل علم کے مابین منعقد ہوا۔ اس مُباحثہ میں پشاور یونیورسٹی کے ڈاکٹر قبلہ ایاز، اسلامی نظریاتی کونسل کے رکن مفتی محمد ابراہیم قادری، مجلّہ الشریعہ کے مدیر جناب عمار خاں ناصر، جامعہ ستاریہ کراچی کے مدیر علامہ محمد سلفی، دار العلوم کراچی کے اُستاذ ڈاکٹر اعجاز احمد صمدانی، ماہنامہ 'منہاج القرآن' کے مدیر ڈاکٹر علی اکبر ازہری اور فاسٹ یونیورسٹی، اسلام آباد کے پروفیسر جناب زاہد صدیق مغل نے شرکت کی۔ بعد ازاں اس مجلس کی کاروائی اور پیش کردہ افکار و نظریات کو گوجرانوالہ کے مجلّہ 'الشریعہ' کے شمارہ اکتوبر میں شائع کیا گیا۔ جناب زاہد صدیق مغل نے اس پہلے مکالمے میں اپنے موقف اور تاثرات کو مستقل مضمون کی شکل دی ہے جو محدث کے حالیہ شمارہ میں شائع کیا جارہا ہے۔ اس سلسلے کا دوسرا مرحلہ لاہور میں ۲۲/نومبر ۲۰۱۱ء کو اِسی حساس موضوع پر 'ہالیڈے ان ہوٹل' میں ہونے والا مذاکرہ ہے جس میں گوجرانوالہ سے مولانا زاہد الراشدی اور مفتی منصور احمد، لاہور سے جناب طاہر اشرفی، مفتی محمد خاں قادری، علامہ احمد علی قصوری، جماعتِ اسلامی

© rasailojaraid.com
محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

کے ڈاکٹر فرید احمد پراچہ، جماعۃ الدعوۃ کے مولانا عبد الرحمٰن مکی، جامعہ لاہور اسلامیہ سے ڈاکٹر حافظ حسن مدنی (راقم)، یونیورسٹی آف مینجمنٹ اینڈ ٹیکنالوجی سے ڈاکٹر محمد امین، یونیورسٹی آف سنٹرل پنجاب سے ڈاکٹر خالد ظہیر اور ڈاکٹر سید محمد نجفی وغیرہ حضرات کو شرکت کی دعوت دی گئی۔ دو نشستوں پر مشتمل اس مذاکرہ کی میزبانی مجلّہ 'الشریعہ' کے مدیر جناب عمار خاں ناصر کے ذمے تھی۔ اسی مباحثے کا تیسرا مرحلہ اسلام آباد کے مارگلہ ہوٹل میں ۲۰/ دسمبر کو منعقد ہوا ہے جس میں راقم الحروف سمیت دیگر دانش گاہوں کے نمائندگان کو تحریری مقالہ پڑھنے کی دعوت دی گئی۔

جامعہ نعیمیہ میں دینی مدارس کے طلبہ کی ورکشاپ

لاہور کے مذاکرۂ تکفیر وخروج میں کیا ہوا، اس کی مرکزی بحث کیا تھی اور اس کا حاصل کیا نکلا؟ اس سے قبل یہ نشاندہی کرنا مناسب ہے کہ 'انسٹیٹیوٹ آف پیس سٹڈیز' کی پوری ٹیم لاہور کے دونوں پروگراموں میں پوری دلجمعی کے ساتھ شریک تھی، اُنہوں نے ایک روز قبل جامعہ نعیمیہ میں طلبہ کو اپنے مرغوب موضوعات پر دو نشستوں میں بھی 'رہنمائی' دی اور دوسرے دن علما اور دانشور حضرات کے مابین ایک حساس مسئلہ پر ہونے والے پورے مباحثہ کے نوٹس لیے، ہر مقرر کی گفتگو اور اُس کا استدلال اُنہوں نے پوری توجہ سے پچھلی نشستوں پر بیٹھ کر سنا۔ جامعہ نعیمیہ میں PIPS کے زیر اہتمام 'جدید فکری رجحانات اور بین الاقوامی قانون کی اہمیت' کے عنوان ہونے والی ورکشاپ کی رپورٹ روزنامہ 'نوائے وقت' لاہور میں شائع ہوئی کہ

> "اسلام سے غیر متصادم جدید مغربی سیاسی نظریات اور دانشورانہ رجحانات کو پاکستان کی سیاسی اور ریاستی نظام کا حصہ بنایا جاسکتا ہے۔ ڈاکٹر خالد ظہیر نے روایت پسندی، جدیدیت اور اجتہاد پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ روایت پسندی نئے علوم وجدید رجحانات کی کھوج میں ایک بڑی رکاوٹ ہے۔..." (۲۲ نومبر ۲۰۱۱ء)

جامعہ نعیمیہ میں ہونے والی طلبہ ورکشاپ میں جامعہ لاہور اسلامیہ کے آخری کلاس کے ۱۰ طلبہ کو بھی شرکت کی دعوت دی گئی تھی اور اس کے لئے بار بار رابطہ کیا جاتا رہا۔ اس ورکشاپ میں ڈاکٹر خالد ظہیر (جاوید احمد غامدی کے تلمیذِ خاص)، ہیومن رائٹس کمیشن کے آئی اے رحمٰن (عاصمہ جہانگیر کے معاونِ کار)، ادارہ ثقافتِ اسلامیہ کے ڈائریکٹر قاضی جاوید، ڈاکٹر سعید شفقت اور دیگر ایسے ہی خیالات رکھنے والے افراد کو 'مسلم دنیا میں جدید فکری رجحانات، انسانی حقوق کا میثاق اور عالمی معاہدوں کی اہمیت' وغیرہ جیسے حساس ملی موضوعات پر خطابات کرنا تھے۔ راقم نے جامعہ ہذا کے 'کلیہ دراساتِ اسلامیہ' کے ڈائریکٹر ہونے کے ناطے انسٹیٹیوٹ آف پیس سٹڈیز کے معاون کار جناب مجتبیٰ راٹھور سے ورکشاپ کے مقررین کے بارے میں اپنے تحفظات کا اظہار کیا کہ جن لوگوں کو آپ نے ایسے اہم موضوعات پر گفتگو کرنے کی دعوت دی ہے، یہ لوگ تو پاکستانی عوام میں خود ایک متنازعہ حیثیت رکھتے

© rasailojaraid.com
محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

ہیں اور ان میں سے بعض کو انتہاپسندانہ نظریات کا بھی حامل سمجھا جاتا ہے۔ مناسب ہوتا کہ آپ اسی سٹیج پر متوازن فکر لوگوں کو بھی دعوت دیتے۔ راٹھور صاحب کا جواب تھا کہ ان موضوعات کے بارے میں دیگر لوگ ماہرانہ گفتگو نہیں کر سکتے اور یوں بھی طلبہ کو سوال وجواب میں دوسرا موقف پیش کرنے کا موقع دیا گیا ہے۔ راقم نے اس کے جواب میں لاہور کے کئی ایک مستند دانشوروں کا نام لیا اور کہا کہ دو تین منٹ کے سوال میں ایک طالب علم دوسرا پہلو پیش کرنے پر قادر نہیں ہوتا۔ بہر طور میرے اس اختلاف کو نوٹ کرنے اور اعلیٰ انتظامیہ تک پہنچانے کی یقین دہانی کرا کے، راٹھور صاحب نے مقررین میں تبدیلی سے اظہارِ معذرت کر لیا۔

راقم نے بادلِ نخواستہ ۲۱/ نومبر کو جامعہ لاہور کے ۱۰ کی بجائے صرف ۴ طلبہ اور اپنی جگہ جامعہ کے اُستاد مولانا عبد الحنان کیلانی کو بھیجا اور سب کو متوجہ ہو کر سننے کی تلقین کی۔ طلبہ کی واپسی پر مجھے بتایا گیا کہ جامعہ ہذا کے طلبہ نے منتظمین اور مقررین سے کئی تیکھے سوالات کئے، جن میں ایک سوال یہ بھی تھا کہ قاضی جاوید صاحب کے بقول اگر امریکہ میں فوکویاما کے نظریۂ امن کے بالمقابل ہنٹنگٹن کے تہذیبی کشمکش کے نظریہ کو قبولیت حاصل ہوئی ہے تاکہ امریکہ کی جنگی صنعت کا کاروبار اور عسکری ادارے زوال کا شکار نہ ہوں تو پھر اس مجلس کی میزبان امن کی داعی این جی او 'انسٹیٹیوٹ آف پیس سٹڈیز' بذاتِ خود ایک عسکریت پسند امریکہ کی نمائندگی کیوں کر رہی ہے؟ اس کا جواب یوں دیا گیا کہ ہم امریکہ کے عسکری نظریہ کے علم بردار اور نمائندہ نہیں بلکہ امریکی شہر نیویارک میں جاری وال سٹریٹ تحریک کے امن پسندوں اور سرمایہ دارانہ نظام کے خلاف اُٹھنے والوں کے حامی ہیں۔ اس پر اُنہیں پھر اعتراض کیا گیا کہ اوّل تو آپ کی قائم کردہ این جی او کم وبیش پانچ چھ سال سے مصروفِ کار ہے، جب کہ امریکہ میں تو وال سٹریٹ تحریک ایک دو سال قبل شروع ہوئی ہے، مزید برآں دینی مدارس اور مذہبی قیادت کو مخاطب بنانے سے بھی پتہ چلتا ہے کہ ان کی مزعومہ 'اصلاح' کو پیش نظر رکھ کر آپ دراصل عالمی استعماری ایجنڈا ہی پورا کر رہے ہیں۔ مقرر کے پاس اس کا کوئی جواب نہ تھا۔ ڈاکٹر خالد ظہیر نے 'مسلم دنیا کے جدید فکری رجحانات' کے عنوان سے اپنے خطاب کا خلاصہ پیش کرتے ہوئے کہا کہ یہ عین ممکن ہے کہ ہم بہترین مسلمان ہوتے ہوئے مغربی تہذیب پر بھی کاربند ہوں، کیونکہ دونوں میں اُصولی طور پر کوئی ایسا تضاد نہیں ہے کہ ایک پر عمل دوسرے کے ترک کو لازم ہو۔ جدید مسلم رجحانات پیش کرتے ہوئے ڈاکٹر موصوف نے امریکہ کے ڈاکٹر حمزہ، انڈیا کے راشد شاذ اور وحید الدین خاں جیسے مفکرین کے نظریات کے تعارف پر اکتفا کیا، حالانکہ وہ اس میں محمد بن عبد الوہاب، سید قطب، مولانا مودودی اور جمال الدین افغانی کے مثبت فکری رجحانات کو بھی نمایاں کر سکتے تھے۔ ڈاکٹر شفقت نے علما کے طرزِ فکر پر تنقید کرتے ہوئے کہا کہ وہ آفات ومصائب مثلاً زلزلہ وسیلاب وغیرہ کی علمی وسائنسی توجیہ کرنے کی بجائے اسے عذابِ الٰہی قرار دے کر، لوگوں کو اللہ سے رجوع کی تلقین کرتے ہیں، جبکہ

© rasailojaraid.com
محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

ہمارا رویہ وحی الٰہی کی بجائے مشاہدہ اور حقائق کی روشنی میں مرتب ہونا چاہئے۔ اُنہوں نے دین کے محدود (بلکہ سیکولر) تصور کی تعریف کرتے ہوئے یہ گوہر افشانی بھی کی کہ دین کا ٹھوس کام برصغیر میں دیوبندی اور بریلوی مکتبِ فکر کے ہاں ہی نظر آتا ہے جنہوں نے جماعتِ اسلامی کی طرح ریاستی معاملات میں رہنمائی دینے اور اُلجھنے کی بجائے 'بہشتی زیور' جیسے کتب لکھ کر مثالی دینی خدمت انجام دی ہے۔ ایک مقرر نے مسلمانوں کے روایتی طرزِ استدلال پر تنقید کرتے ہوئے جدید رجحانات کو اپنانے کا مشورہ دیا جس پر جامعہ ہذا کے ایک طالب علم نے یہ توجیہ پیش کی کہ جدید وقدیم میں اختلاف اُجاگر کرنے اور کسی ایک کو غالب کرنے کی بجائے کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ قرآن وحدیث پر کامل کاربند رہتے ہوئے جدید مسائل کا حل تلاش کیا جائے۔ طلبہ نے اپنے سوالات میں کئی مواقع پر مقررین کو خاموش ہونے پر مجبور کردیا۔ تقریب میں کافر ومسلم دوستی کے بے جا تصور کو اس قدر اُبھارا گیا کہ جب ورکشاپ کے آخر میں میزبان جامعہ کے مہتمم مولانا محمد راغب نعیمی کو دعاے خیر کے لئے دعوت دی گئی تو اُن کی دعا میں شامل غلبۂ اسلام کی باری تعالیٰ سے التجا ورکشاپ کے سیاق وسباق سے غیر مناسب محسوس ہوئی اور بعض مقررین اس دعا پر تردّد کا بھی شکار نظر آئے، کیونکہ ورکشاپ کا ماحول اور پیش کئے جانے والے افکار ونظریات اس نبوی دعا کے تقاضے پورے نہیں کرتے تھے۔

'ہالیڈے اِن' لاہور میں مکالمہ تکفیر وخروج

۲۲ر نومبر ۲۰۱۱ء کو ہالیڈے ان میں ہونے والا اجلاس مقررہ وقت سے نصف گھنٹہ تاخیر سے شروع ہوا۔ مکالمہ کے مدعو شرکا کے علاوہ دیگر اہل علم کو اس پروگرام میں شرکت کی اجازت نہ تھی۔ اتفاق سے جامعہ لاہور اسلامیہ کے دو فاضل اساتذہ شرکت کے لئے آن پہنچے لیکن راقم کی تحریری درخواست کے باوجود، میزبان جناب عمار ناصر نے اُن کو منتظمین کی طرف سے اجازت نہ ملنے کا کہہ کر معذرت کرلی۔ مولانا عبد الرحمٰن مکی اور ڈاکٹر خالد ظہیر کسی وجہ سے تشریف نہ لاسکے۔ ڈاکٹر محمد امین کے بارے میں پتہ چلا کہ اُنہوں نے میزبان این جی او سے بعض تحریری استفسارات کئے ہیں کہ اس این جی او کی فنڈنگ کون کررہا ہے اور اس کا امریکہ سے کیا تعلق ہے؟ مزید برآں یہ کہ جس پروگرام کی میزبانی جناب عمار خاں ناصر کے سپرد ہو، اس کے اہداف ومقاصد کے بارے میں ڈاکٹر صاحب کو کوئی شبہ نہیں رہ جاتا۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحب نے ان شبہات کی بنا پر عدم شرکت کو ہی ترجیح دی۔

آغاز میں جناب عمار ناصر نے مذاکرے کے اہداف بیان کئے جس کے جواب میں ڈاکٹر سید محمد نجفی اور جناب مفتی محمد خاں قادری نے پاکستانی معاشرے میں پائی جانے والی عام صورتحال کے حوالے سے شرعی ضوابط اور احتیاطیں وغیرہ پیش کیں۔ راقم الحروف اور مفتی منصور احمد نے میزبان کے پیش کردہ سوالات پر براہِ راست گفتگو کی جس کے نتیجے میں بعد کی تمام ترنشست کا رخ ایک اُصولی وفقہی مسئلہ سے نکل کر تکفیر وخروج کے حوالے سے پاکستان کو درپیش حالیہ حساس صورتحال کی طرف مڑ گیا۔ یوں

© rasailojaraid.com
محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

بھی مذاکرہ کا جو لائحہ عمل ہمیں پہلے فراہم کیا گیا تھا، اس میں ایک مخصوص فکری رجحان ، اور مباحث کے مابین موجود معنوی ربط ، مذاکرہ کے مقصد و ہدف کی طرف واضح اشارہ کر رہا تھا، اسی لئے ہم نے فقہی و شرعی بحث میں زیادہ وقت صرف کرنے کی بجائے مسئلہ کے سیاسی پہلو کو ہی پیش نظر رکھا۔ ذیل میں مکالمہ کی کاروائی سے قطع نظر راقم کی گفتگو، اور مباحثہ کے مرکزی سوال سے متعلق اپنا نقطہ نظر بعض ضروری تفصیلات کے بعد قارئین 'محدث' کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ راقم نے اپنے خطاب کے آغاز میں بعض مقدمات اور سوالات قائم کئے اور حسب ذیل معروضات پیش کیں:

① اگر تکفیر کے ساتھ خروج کو ملا کر دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ منتظمین کے پیش نظر تکفیر کا وہ مخمصہ نہیں جس سے پاکستانیوں کو ۹۰،۸۰ کی دہائی میں شیعہ سنی تکفیر وغیرہ کے مرحلے پر واسطہ پیش آیا تھا۔ زیر بحث تکفیر سے مراد وہ مباحث ہیں جو تکفیر کرنے والوں کو آخر کار حکومت سے بغاوت اور خروج کی طرف لے جاتے ہیں۔

② اس تکفیر و خروج کی شرعی حیثیت پر گفتگو سے قبل ہمیں فقہ الواقع یا صورتِ واقعہ پر غور کرنا ہوگا کہ ہم اس شرعی بحث اور اس کے نتیجے کا اطلاق کن لوگوں پر کرنا چاہتے ہیں؟ فقہ الواقع کے تعین سے قبل شریعتِ اسلامیہ کی متعلقہ نصوص کو نکال کر محض پیش کر دینا ہی کافی نہیں کیونکہ یہ نصوص تو اس سے قبل بھی تراثِ اسلامی میں موجود ہیں۔

تکفیر و خروج کا موجودہ منظر نامہ ملتِ اسلامیہ پر ظلم کا ردِّ عمل ہے!

③ ملتِ اسلامیہ میں خروج پر منتج ہونے والی تکفیر (یعنی سیاسی تکفیر یا حکمرانوں کی تکفیر) کی تحریک کا پورا منظر نامہ دیکھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ یہ سیاسی تکفیر خالصتاً مسلم حکمرانوں کے ظلم و ستم کے ردِّ عمل پر مبنی ہے اور کوئی خالص شرعی یا فقہی مسئلہ نہیں ہے۔ حالیہ اسلامی تاریخ میں ساٹھ کی دہائی میں مصر میں الاخوان المسلمون سے نکلنے والے بعض نوجوانوں نے 'اصحاب الہجرۃ والتکفیر' کے نام سے تکفیری سلسلے کا آغاز کیا۔ واضح رہے کہ ان سالوں میں مصر کے صدر جمال عبد الناصر نے الاخوان المسلمون پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے تھے، شیخ حسن البنا کو بہیمانہ طور شہید کیا گیا اور سید قطب رحمۃ اللہ علیہ کو پھانسی کے گھاٹ اُتار دیا گیا تھا، کئی اخوانیوں کو کتوں سے نُچوایا گیا اور اخوان کے پیروکاروں پر زندگی کی راہیں مسدود کر دی گئی تھیں۔ بعد ازاں سعودی عرب میں ۹۰ کی دہائی میں خلیجی جنگ کے بعد امریکی مداخلت اور امریکی فوجی بیسز کا قیام وہ منظر نامہ ہے جس کے بعد اُسامہ بن لادن اور ان کے رفقا نے سعودی حکمرانوں کی تکفیر کے مباحث کا آغاز کیا۔ توحیدِ حاکمیت کا ایک سیاسی نظریہ متعارف کرایا گیا، امریکی استعمار کی جارحیت و مداخلت سے قبل سعودی عرب میں یہ بحثیں نہیں ملتی۔ پاکستان کی صورتحال بھی اس سے مختلف نہیں ہے۔ پاکستان کے ہمسایہ

© rasailojaraid.com
محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

ملک افغانستان پر امریکہ کی بلاجواز بہیمانہ جارحیت کے بعد پاکستان میں حالیہ دہشت گردی اور اس سے متعلقہ مباحثِ تکفیر وخروج وغیرہ کا آغاز ہوا۔ شمالی علاقہ جات، وزیرستان وسوات اور فاٹا وقبائلی علاقوں میں اس سے پہلے بھی پر امن پاکستانی بستے تھے، لیکن امن وامان کی پچاس برسوں میں کبھی وہ صورتحال نہ ہوئی جس کا سامنا گذشتہ دس برس سے یہ علاقے کر رہے ہیں۔ امریکہ نے افغانستان میں ڈیرے جمالئے، ہمارے آمر وغاصب حکمرانوں نے اپنی کمزور سیاسی حیثیت کی بنا پر، امریکی دھمکیوں کے سامنے گھٹنے ٹیک دیے اور بدلے میں اُس کی تائید کے طالب ہوئے، پاکستان کے سرکاری ادارے امریکی مفادات کے رکھوالے بن گئے اور عرب وافغان مجاہدین کو ڈالروں کے بدلے امریکی جیلوں میں بھر کر ملت اور قوم سے غداری اور بے وفائی کی سیاہ داستانیں رقم کی گئیں۔ پاکستان کو اس وقت تک بھی دہشت گردی اور تکفیر وخروج کے خونخوار عفریت کا سامنا نہیں کرنا پڑا، حتی کہ ۲۰۰۷ء میں لال مسجد میں عفت مآب بچیوں کو خون میں نہلا دیا گیا، ان کی کٹی اُنگلیاں اور قرآنِ کریم کے بریدہ اوراق اسلام آباد کے ندی نالوں میں پائے گئے، تب ظلم وستم کا شکار لوگ پاکستان کے پالیسی سازوں اور ہیئتِ مقتدرہ کے خلاف کمربستہ ہوگئے۔ یہ واضح طور پر ظلم کے خلاف ایک عوامی ردّ عمل تھا جس کے لئے شریعتِ اسلامیہ سے تائید لینے کی کوشش کی گئی۔ ظلم کے خلاف دفاع اور عوامی مزاحمت کو سندِ جواز دینے کے لئے حکمرانوں کی تکفیر کے نظریہ کا اس مرحلہ پر پھیلنا اور اس کے بعد ان کے خلاف خروج کا رجحان اپنے اندر واضح معنویت رکھتا ہے۔ توجہ طلب نکتہ یہ ہے کہ ملتِ اسلامیہ میں ہر مقام پر سیاسی تکفیر وخروج کا نظریہ اس گروہ میں پروان چڑھا جو ظلم وستم کا براہِ راست نشانہ بنا۔ اگرچہ اقامتِ دین کا نظریہ حالیہ دینی وسیاسی تناظر میں بنیادی طور پر جماعتِ اسلامی کا متعارف کردہ ہے لیکن پاکستان کی جماعتِ اسلامی چونکہ جمہوری جدوجہد کے ذریعے سیاسی سرگرمی میں اپنی توانائیاں صرف کر رہی ہے اور اُنہیں الحمدللہ اخوان جیسے شدید ظلم وستم کا سامنا بھی نہیں کرنا پڑا! اس کے مقابل دیکھا جائے تو صوبہ سرحد کے طالبان حنفی مکتبِ فکر کے حامل ہونے کے ساتھ، ماضی میں اقامتِ دین کا کوئی واضح مطالبہ نہ رکھتے تھے، توحیدِ حاکمیت وغیرہ کا کوئی سیاسی رجحان بھی اُن کے ہاں نہیں ملتا، اس کے باوجود جب حنفی طالبان پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے گئے تو اُنہوں نے سیاسی تکفیر وخروج میں پناہ لی اور پاکستان کی جماعتِ اسلامی اقامتِ دین کے اس منظر نامے سے خارج رہی۔ ان تقابلی حقائق سے واضح طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُمتِ مسلمہ میں تکفیر وخروج کی حالیہ بحثیں ظلم اور اس کا ردّ عمل ہیں۔ بلکہ اگر یہ بھی کہا جائے کہ جس طرح امریکہ نے طالبان کی مزاحمتی تحریک سے اپنے مقاصد حاصل کرنے کے لئے ان کے نام وتشخص سے بے شمار دہشت گردانہ کاروائیاں منسوب کر دیں اور طالبان گروہوں میں اپنے افراد شامل کر کے اُن کو پاکستان میں انتہا پسندی پر آمادہ کیا، اسی طرح

© rasailojaraid.com
محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

خلطِ مبحث کرتے ہوئے ان طالبان کو فکری طور پر تکفیر و خروج کی بحثوں میں اُلجھایا گیا۔ دراصل اہل پاکستان کا یہ المیہ ایک سیاسی اور عوامی سانحہ ہے۔ جب بلوچستان کے عوام کو اُن کا حق نہیں دیا جاتا اور وہ 'بلوچستان لبریشن آرمی' کے نام پر اپنے حقوق کی جدوجہد کرتے ہیں، تو اسے ایک عوامی جدوجہد سمجھا جاتا ہے، اسی طرح جب سرحد کے لوگوں پر ظلم کیا جاتا ہے تو اسے اہل سرحد کا حق دفاع ہی کیوں نہیں قرار دیا جاتا؟ اس کو شریعت سے خلط ملط کرنا نت نئی اُلجھنیں پیدا کر دیتا ہے!!

سیاسی تکفیریوں سے قبل استعمار اور آمر مسلم حکمرانوں کی مذمت ضروری ہے!

④ یہ درست ہے کہ احادیث میں خروج وغیرہ کے بارے میں ممانعت کا غالب رجحان پایا جاتا ہے، تاہم بعض واضح صورتوں میں خروج کی اجازت بھی احادیثِ نبویہ میں صراحت کے ساتھ موجود ہے۔ اُموی دور کے خروج کے نتائج کو دیکھتے ہوئے فقہاے کرام کے اقوال میں بھی اِس کی زیادہ تائید نہیں ملتی، لیکن اگر ہم ان احادیث یا فقہی جزئیات سے آج استدلال کرنے پر مصر ہیں، جو آج کے مذاکرے کا مقصد و منشا معلوم ہوتا ہے، تو اس سے پہلے اس امر کی شدید ضرورت ہے کہ ہم اُس عالمی استعمار اور امریکہ کی بھی مذمت کریں جس نے ملتِ اسلامیہ کو آسان شکار سمجھ کر، دو دہائیوں سے اس کی سالمیت سے کھیلنے کا سلسلہ شروع کر رکھا ہے۔ اس کے بعد ہمیں مسلمانوں کے ان حکمرانوں کی مذمت کرنا چاہئے جنہوں نے عالمی استعمار کا آلہ کار بن کر اپنی ہی قوموں کو فتح کرنا اور ان کو امریکہ کے حوالے کر کے ڈالر کمانا اور سیاسی تائید حاصل کرنے کا مکروہ دھندا شروع کر رکھا ہے۔ کیا آج ہم لاہور کے اہل علم و دانش، اپنے قول و بیان کے ذریعے اس امر کے لئے جمع ہوئے ہیں کہ ہم پاکستان کے سرحدی عوام پر ظلم کے خاتمے کی کوئی مؤثر جدوجہد کرنے سے تو قاصر ہیں لیکن ان مظلوموں سے مزاحمت اور ظلم کے خلاف دفاع کا حق بھی، خروج کی ممانعت کی احادیث پڑھ پڑھ کر چھین لیں؟ تاکہ کوئی مظلوم اگر اپنے اوپر ہونے والے ظلم کا دفاع کرتا ہوا مارا جائے تو ہمارے دلوں میں اس مسلمان بھائی کے خلاف ہمدردی کا شائبہ بھی نہ ہو۔ یہ اسلام اور پاکستان کی کوئی خدمت نہیں بلکہ من وجہ ظلم کی ہی تائید ہے۔ اس مکالمہ کے شرکا کا مثبت کردار یہ ہونا چاہئے کہ وہ اگر تکفیر و خروج کے سلسلے کو غلط سمجھتے ہیں... اور امر واقعہ بھی یہی ہے... تو پھر سرحدی عوام کے لئے اُن مثبت راہوں کی نشاندہی کریں، جس کے ذریعے وہ اپنے اوپر ہونے والے ظلم و ستم کا خاتمہ کر سکیں اور اُنہیں بھی چین و سکون کا جائز حق میسر آسکے۔

خوشنما نعروں سے دوسروں کا استحصال باطل کا قدیم ہتھیار ہے!

⑤ تاریخ میں ہمیشہ سے باطل قوتوں کا یہ وتیرہ رہا ہے کہ وہ خوش نما نعروں کو اپنے مذموم مقاصد کے لئے استعمال کرتے ہیں، خارجیوں نے قرآن کو حکم بنانے کا نعرہ گھڑا تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے 'کلمۃ حق

© rasailojaraid.com
محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

اُرید بہا الباطل' کے مشہور جملہ سے اس کا دندان شکن جواب دیا۔ معتزلہ نے اپنے نظریاتی انحراف کو جواز دینے کے لئے اہل العدل والتوحید کا نام اختیار کیا جسے ائمۂ اسلاف نے دلائل کی رو سے باطل ثابت کیا۔ ملتِ اسلامیہ میں اہل تشیع نے تیرہ صدیوں سے ملی انتشار کا رویہ اپنایا اور آج اسلامی جمہوریہ ایران کے سیاسی بصیرت کے پیرو شیعہ 'وحدتِ ملی اور اتحاد بین المسلمین' کو اپنا شعار بنا کر مصروفِ جہد ہیں۔ اسی طرح دورِ حاضر کی ظالم وجارح ریاست امریکہ دنیا بھر میں ظلم وبربریت اور جنگ وہلاکت مسلط کرتا ہے تو 'امن' اور 'حقوقِ انسانی' کو اپنا سلوگن بنا کر پیش کرتا اور پوری دنیا کو کھلا مغالطہ دیتا ہے۔ امریکہ دنیا کا ایسا ملک ہے جس کی اہم ترین صنعت وبرآمد ہی عسکری سازوسامان ہے۔ سرد جنگ کے بعد ملتِ اسلامیہ کا نیا شکار اسی لئے تراشا گیا ہے کہ امریکہ کی عسکری صنعت کو زوال نہ آئے اور جنگ کا کاروبار جاری رہے۔ راقم الحروف کو ۲۰۰۶ء میں امریکہ کا دورہ کرایا گیا جس میں واشنگٹن میں 'یو ایس انسٹیٹیوٹ فار پیس سٹڈیز' میں بھی مجھے لے جایا گیا جو امریکی لابی کا مرکزی ادارہ ہے۔ اور میں اس مذاکرہ میں یہ نشاندہی کر دینا چاہتا ہوں کہ پاکستان میں قائم این جی او جو آج کے مکالمہ کی منتظم ومیزبان ہے، اس کا نام ہو بہو وہی ہے جو واشنگٹن کے ادارہ امن کا ہے، صرف یو ایس کی جگہ پاکستان کا فرق ہے۔ آج ہمارا میزبان ادارہ امن کے فروغ کی بات کرتا ہے۔ یہ ادارہ اپنے دعویٰ میں اُس وقت سچا ثابت ہو گا جب امن کے اصل مجرموں: امریکہ اور عالمی استعمار کے خلاف بھی یہ سیمینار اور مذاکرے منعقد کرے اور جب یہ این جی او امن وسلامتی کے دشمن مسلم ممالک کے ظالم حکمرانوں کی عوام شکن پالیسیوں کو بھی ہدفِ تنقید بنائے، جن سے دنیا کا امن مجروح ہو کر رہ گیا ہے۔ تصویر کا صرف ایک رخ پیش کرنا امن کے لئے کوئی بڑا کارنامہ نہیں ہے۔ مجھے اعتراف ہے کہ سیاسی تکفیر وخروج کے پیرو غلط منہاج پر کاربند ہیں، لیکن ان کو غلط کہنے والی زبانیں اور اُن کی اصلاح کے لئے مجتمع ہونے والے اہل علم اُن کی کوتاہی کی اصل وجہ کو ترک کر دیں اور اصل ظالم کو نظر انداز کر کے صرف مظلوم سرحدی عوام کی مذمت پر اکتفا کریں تو یہ بھی ایسا 'کلمہ حق' ہے جس کا مقصد آخر کار باطل کی تقویت ہے۔ کرنے کا کام یہ ہے کہ ظلم وبربریت کو کسی بھی طرح قبول نہ کیا جائے، اس کے خلاف ہر طرح مزاحمت کی جائے اور ظلم کے دفاع کے لئے جائز راستے تلاش کرنے اور ان راستوں پر عمل پیرا ہونے والوں کی ممکنہ تائید ومعاونت پر مجالس ومباحثے منعقد کیے جائیں، کیونکہ مسائل کا دائمی اور حقیقی حل اسی صورت ممکن ہے جب ان کو مبنی بر حقائق وانصاف طریقے سے حل کیا جائے، کسی حقیقی مسئلہ کو وقتی طور پر دبا دینا اور کسی متاثرہ فریق کو مجبور کر دینا کبھی بھی دائمی امن وسکون کی کافی بنیاد نہیں بن سکتا۔

© rasailojaraid.com
محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

مسلم ممالک میں نافذ العمل جمہوری نظاموں میں خروج کی بحث اصلاً ہی غلط ہے!

⑥ یہ ہے وہ فقہ الواقع جس میں ہمیں سیاسی تکفیر وخروج پر گفتگو کرنا ہے۔ شرعی مسئلہ کی دقیق تفصیلات میں اُترنے سے قبل یہ نشاندہی کرنا مناسب ہوگا کہ پاکستان کے حالیہ تناظر میں اس موضوع کا انتخاب ہی خلطِ مبحث ہے۔ خروج کے بارے میں احادیث اور فقہ میں جو تفصیلات ملتی ہیں وہ خلافتِ اسلامیہ کے تناظر میں ہیں۔ 'خروج' اسلام کے سیاسی نظام 'خلافت' کا ایک تصور ہے جس میں اللہ کے دین کو نافذ کرنے والے خلیفہ کے بارے میں بعض تفصیلات کے ساتھ خروج کے امکان وعدم پر گفتگو کی جاتی ہے۔ پاکستان یا مسلم ریاستوں کا موجودہ نظام کسی بھی طرح خلافت کے تقاضے پورے نہیں کرتا، کیونکہ یہ اپنی اصل سے ہی غیر اسلامی ہے۔ اس مکالمہ کے شرکا کو میں متوجہ کرنا چاہوں گا کہ کیا ہمیں پاکستان پر قابض وآمر جنرل پرویز مشرف کے بارے میں خروج کی احادیث سے استدلال کرنا ہے یا اُن کے نقشِ قدم پر چلنے والے صدر آصف علی زرداری کے بارے میں؟ پرویز مشرف تو ایسا بدترین آمر ہے جس کو شریعت سے مستغنی نام نہاد 'سول سوسائٹی' کو بھی معزول کرنے کی ہر ممکنہ جدوجہد کرنی چاہئے۔ ملک کو امریکہ کی کالونی بنا دینے اور عوام کے لئے جینا دوبھر کر دینے والے زرداری کے بارے میں کیا ہمیں خروج کی احادیث کا مطالعہ کرنا چاہئے۔ صدر حسنی مبارک، زین العابدین، معمر قذافی اور حافظ الاسد جیسے حکمران کونسے خلیفہ راشد ہیں، نفاذِ دین کی کیا ذمہ داری پوری کرتے ہیں، اور اپنے عوام کی کیا خدمت کرتے ہیں کہ اُن کے سامنے مزاحمت کرنے والوں کو حدیث وفقہ میں وارد مقدس عبارات سنا کر خاموش کیا جائے۔ ایسے حکمرانوں سے تو کسی بھی طرح پیچھا چھڑانے کی کوشش کرنی چاہئے جو صرف اہل دین نہیں، بلکہ ان ممالک میں بسنے والے تمام باشندوں حتی کہ دہریوں اور ہندوؤں کا بھی عوامی فرض ہے۔ الغرض خروج جو خلافتِ اسلامیہ کا ایک تصور ہے، اس کو جمہوریت وآمریت کے مغربی نظاموں میں ٹانکنا خلطِ مبحث کے سوا کچھ نہیں ہے۔

جمہوریت ایک غیر اسلامی نظام سیاست ہے!

⑦ اس موقع پر جمہوریت کے بارے میں بھی واضح ہو جانا چاہئے کہ ماضی میں ہمارے اہل علم نے جمہوریت کو محض اپنے آپ کو عہدے کے لئے پیش کرنے کی علت کی بنا پر غیر اسلامی ٹھہرایا تھا مزید برآں انہوں نے حاکمیتِ عوام کے غلط نظریے کی بنا پر اس کی اصلاح کی کوشش کی۔ لیکن یہ یاد رہنا چاہیے کہ جمہوری نظام اپنی ساخت، ڈھانچے، نتائج اور میکنزم کے لحاظ سے ایک کامل غیر اسلامی نظام ہے جس کو کسی بھی قسم کی پیوندکاری سے اسلامی نہیں بنایا جاسکتا۔ کسی بھی سیاسی نظام کا انحصار اس کے نظریہ حاکمیت پر ہے اور وہی اس کی اصل حیثیت کا تعین کرتا ہے۔ خلافت

© rasailojaraid.com
محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

اللہ کی شریعت کو نافذ کرنے کے لئے اپنے تمام عناصر اور ادارے بروئے کار لاتی ہے جبکہ جمہوریت عوام الناس بلکہ غالب جمہور کی حاکمیت کے ذریعے عوامی خواہشات کو معاشرے پر مسلط کرتی ہے۔ مسلم خلیفہ اللہ کے دین کو اپنے اور دوسروں پر نافذ کرنے کے لئے ہوتا ہے جبکہ جمہوریت میں قانون کی تشکیل اور عوامی حاکمیت کے لئے قوی ترین ادارہ پارلیمنٹ کے نام سے موجود ہوتا ہے۔ جمہوری نظام میں اللہ کے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے، عوامی نمائندے دلیل شرعی کی بنا پر نہیں بلکہ اپنی ووٹنگ کی قوت سے کسی قانون کا نفاذ کرتے ہیں۔ کسی حکم کا جمہوری ملک میں نفاذ اللہ کے قرآن کی بنا پر نہیں بلکہ مقننہ کے ووٹوں کا مرہونِ منت ہوتا ہے۔ جمہوری ملک میں اسلام کے اسی حق پر اکتفا کرلیا جاتا ہے کہ کوئی قانون خلافِ اسلام نہیں بنے گا، لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ تو اسلام کا سلبی تقاضا ہوا، ایجابی طور پر اسلامی نظام کے نفاذ کی کوئی ذمہ داری بھی حکمرانوں پر عائد ہوتی ہے یا نہیں؟ جمہوریت اللہ سے بغاوت اور انسان پرستی کے مغربی سیاسی نظریے کا مکمل اظہار ہے۔ بعض مسلم دانشوروں کی مرعوبیت اس شرمناک حد کو پہنچ چکی ہے کہ وہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے بعض عوام دوست اقدامات کو ان کا جمہوری رویہ قرار دینے کی جسارت کرتے ہیں، جبکہ سیدنا عمر ایک مسلمہ خلیفہ راشد تھے، خلافتِ اسلامیہ اس وقت کا نظام تھا اور اس عظیم خلیفہ کے تمام رویے خلافتی رویے اور شرعی رجحانات ہی تھے۔ اسلام کو اپنے نظریات کے بیان اور نکھار کے لئے کسی دوسرے فلسفے یا نظریے کے الفاظ مستعار لینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور جو یہ سمجھتا ہے وہ خلطِ مبحث کے سوا کچھ نہیں کرتا۔ پہلے جمہوریت یا انسانی حقوق کو اسلام سے ثابت کیا جاتا ہے، پھر اُن کو اللہ کے دین اسلام کا متبادل بنا کر، اُن کے تقدس کی مالا جپنا شروع کردی جاتی ہے اور اس طرح مغرب کا خواہش پرست انسان اور اللہ کا متبع مسلمان ایک مساوی مقام پر کھڑے ہوجاتے ہیں۔ یہ کیسا اسلام ہے جو اپنے ظہور وکمال کے لئے مغرب کے ارتقا کا منتظر اور اصطلاحات کا محتاج ہے۔ اسلام کا سیاسی نظام صرف اور صرف خلافت ہے، اس وقت تک باقی تمام کوششیں وقتی مجبوریاں، مصلحتیں اور حالات کا جبر ہیں، اُنہیں اسلام کا متبادل قرار نہیں دیا جاسکتا۔ پاکستان میں حاکمیتِ الٰہیہ کا نظریہ صرف دستور کا زیبِ عنوان ہے، عملاً پورا دستور مغربی جمہوریت کا چربہ ہے۔ حاکمیتِ الٰہیہ کے نظریے کو عملاً پورے دستور میں 'خلافِ اسلام' ہونے کے تحفظ سے زیادہ کوئی وزن نہیں دیا گیا، اور یہ تحفظ بھی پیچ در پیچ تاویلات اور نظریہ ہائے ضرورت سے عبارت ہے!!

استعمار کی منظورِ نظر مسلم حکومتوں کی مغربی کسوٹیاں

⑧ وہ جمہوریت جس کو امریکہ عالم اسلام میں پروان چڑھانا چاہتا ہے، اور اُن کی امداد کو اس سے مشروط کردیتا ہے، آیئے ملتِ اسلامیہ کے اس مجسم دشمن کے وہ دیگر معیار بھی ملاحظہ کریں جو اُس نے

© rasailojaraid.com
محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

کسی بھی ملک اور سیاسی وعوامی جماعت کے قابل قبول یا اعتدال پسند ہونے کے لئے مقرر کر رکھے ہیں۔ امریکی تھنک ٹینک 'رینڈ' نے چھ معیارات قائم کئے ہیں: (۱) وہ جماعت جمہوریت کی داعی اور اس پر کاربند ہو۔ (۲) وہ جماعت مرد وزن کی مساوات کے مغربی نظریے کی قائل اور علم بردار ہو (اس نظریے کی تفہیم کے لئے سیڈا، عالمی خواتین کانفرنسوں مثلاً قاہرہ وبیجنگ کانفرنسز وغیرہ کی سفارشات ملاحظہ ہوں)۔ (۳) وہ جماعت مذہبی اقلیات کے حقوق اور تحفظ پر کاربند ہو۔ (۴) وہ جماعت اسلام کی کسی ایک تعبیر پر اصرار نہ کرتی ہو بلکہ ہر دور کے لحاظ سے نئی تعبیر کا امکان مانتی ہو۔ (۵) وہ انتہا پسندی اور تشدد سے محترز ہو اور (۶) دہشت گردی کی مذمت کرتی اور اس کے خلاف اقدامات بروئے کار لاتی ہو۔ (الوسطية: الطريق إلى الغد از ڈاکٹر عبداللہ یحییٰ، ریاض)

پاکستانی علما کا جمہوریت کے زیر سایہ اسلامی قانون سازی کی جدوجہد کرنے کا مسئلہ

⑨ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر کیا وجہ ہے کہ پاکستان میں علمائے کرام جمہوریت کے تحت نفاذِ اسلام کی جدوجہد کر رہے ہیں یا پھر اسلامی قانون سازی مثلاً حدود قوانین، توہین رسالت کا قانون، قصاص ودیت کے قوانین کی جدوجہد میں سالہا سال سے شریک ہیں۔ اس تناظر میں بعض دانشور تو یہ کہتے ہیں کہ پاکستان کے علما نے جمہوریت کو ہی ایک مثالی نظام سمجھتے ہوئے اس کے تحت اسلامی قانون سازی کو ایک مثالی حکمتِ عملی کے طور پر اختیار کیا ہے اور وہ جمہوری سیاسی جدوجہد کے ذریعے ہی اسلام کی برکات کے منتظر ہیں، حتیٰ کہ بعض تو یہاں تک کہتے ہیں کہ ان اقدامات کے ذریعے جمہوری اقدامات پر پاکستانی علما کا اجماع ہو چکا ہے، حالانکہ یہ امر واقعہ نہیں ہے بلکہ اصل صورتحال اس سے مختلف ہے جس کی وضاحت کے لئے ہمیں ماضی میں جانا پڑے گا۔

اُنیسویں صدی میں جدید مغربی نظریات جب پروان چڑھے اور اس کے نتائج نکلے تو مغربی قوتیں پورے عالم اسلام میں نوآبادیاں بنانے چل پڑیں، بیسویں صدی میں مغربی قوتیں، آپس میں جنگِ عظیم اوّل اور دوم کی شکل میں ٹکرا گئیں اور لاکھوں انسانوں کو مغربی قوتوں کی اس جنگ کا شکار ہونا پڑا، ان دونوں عالمی جنگوں کے بعد یورپی استعماری قوتیں اس قدر کمزور پڑ گئیں کہ اُنہیں چار وناچار اپنی نوآبادیوں سے نکلنا پڑا، یہی وجہ ہے کہ دنیا کے موجودہ ممالک میں سے اکثر جنگِ عظیم دوم کے بعد کے بیس سالوں میں وجود میں آئے۔ پاکستان کا قیام ہو یا ہندوستان کا، ان دونوں کی آزادی یہاں کے باشندوں کی جدوجہد سے بڑھ کر برطانیہ کی کمزوری میں مضمر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قیام پاکستان کے اعلان سے قبل مسلمانوں کا خون بہت کم بہایا گیا اور پاکستان بننے میں جن مسلمانوں کا خون بہا، وہ قیام پاکستان کے بعد منتقلی کے مراحل کی بدترین قتل وغارت ہے۔ انگریز نے یہاں سے نکلتے ہوئے اسی نظام حیات کو تحفظ دیا جو وہ سالہا سال سے اپنے ممالک میں

© rasailojaraid.com
محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

چلاتے آئے تھے۔ مختصر طور پر پاکستان کی آزادی اپنے زورِ بازو پر حاصل ہونے والی مکمل آزادی نہ تھی، بلکہ قابض کی کمزوری کے نتیجے میں پیدا ہونے والی صورتحال میں، محمد علی جناح کی پرعزم قیادت کے تحت مسلمانوں کی سیاسی جدوجہد کا نتیجہ تھی۔ چنانچہ یہ آزادی حاصل کرنے والے مسلمان اور ان پر نگران عالمی استعمار نے اُنہیں یہ مہلت ہی نہ دی کہ وہ جمہوریت سے بالاتر کسی اور نظام کے متعلق آزاد ہو کر سوچتے۔ قیامِ پاکستان کے بعد بھی نظریاتی غلامی اور بدترین استعماری تسلط آج تک برقرار ہے۔ پاکستان کلمہ طیبہ کے نعرے کی قوت سے وجود میں آیا لیکن قیام کے چند ماہ بعد ہی خالص اسلام کی بجائے یہ وطن پھر مغربی نظریات کی بھینٹ چڑھ گیا۔ ان حالات میں علما نے ایک مثالی نظام کی جدوجہد کے ساتھ ساتھ موجود سیاسی جبر میں ممکنہ اصلاحات کا راستہ اپنایا۔ اگر پاکستان مکمل طور پر آزاد ہو کر قائم ہوا ہوتا اور اس پر مغربی قوتوں کا تسلط نہ ہوتا تو یہاں علما یہ صورتحال کبھی اختیار نہ کرتے۔ الغرض علما کے متفقہ ۲۲ نکات ہوں، یا دستوری جدوجہد یا اسلام کے اجتماعی نظاموں کا جزوی نفاذ، حالات کے اس جبر میں علما کے پاس تبدیلی کا ممکنہ راستہ ہی یہ ہے نہ کہ یہ علما اور اسلام کا اصل مقصود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان قانونی تبدیلیوں کے نفاذ اور آج کئی دہائیاں گزر جانے کے باوجود بھی اسلام کی برکات حاصل نہیں ہو رہیں، کیونکہ یہ ایک مثالی طریقہ یا خالص اسلامی ہدف نہیں ہے بلکہ اُمت کو درپیش کمزوری کے حالات کی اضطراری حکمتِ عملی کا نتیجہ ہے۔

تکفیر وخروج یا تشدد اور جبر مسئلہ کا حل نہیں ہیں

⑩ مذکورہ بالا گذارشات کا یہ مطلب نہیں ہے کہ راقم کسی جبر وتشدد کا حامی ہے یا بعض تحریکیں نفاذِ اسلام کے جو شارٹ کٹ طریقے اختیار کئے ہوئے ہیں، ان کی تائید کرتا ہے۔ بلکہ مقصود مرض کی تشخیص میں اتفاق ہی ہے۔ تاہم اس مرض کا علاج کیا ہو، اس میں مسلمانوں میں مختلف رجحانات پائے جاتے ہیں۔ اسلام ہنگامی قبضہ کی بجائے فرد کی اصلاح وتربیت پر زور دیتا ہے اور اصل ضرورت مسلم افراد کی معیاری تیاری، اور دین پر عمل پیرا ہونے کے لئے انہیں تعلیم وتربیت دینا، پھر ایسے افراد پر مشتمل جمعیتِ اسلامی کا قوت پکڑنا، مختلف الجہت اسلامی تحریکوں وتنظیموں کا اتحاد واتفاق کر کے، نفاذِ اسلام کے لئے ہونے والی مساعی کو تقویت دینا ہے۔ جب تک مسلم معاشرہ اصلاح وتعمیر کے ان مراحل سے نہیں گزرے گا، وقتی غلبہ یا اتفاقی قبضہ ملتِ اسلامیہ کو درپیش حالات کو مزید گھمبیر بنا دے گا۔ اسلام کے نام پر غلبہ وقبضہ جمانے والوں کی مخالفت پہلے علاقائی پولیس کی قوت سے ہو گی، پھر میڈیا اور رینجر وفوج کی قوت سے، اس کے بعد عالمی قوتیں اقوامِ متحدہ اور نیٹو وامریکہ کی سرپرستی میں ایسے کسی غلبہ جمالینے والے اسلامی گروہ کے خلاف اپنی قوتیں مجتمع کر دیں گی۔ غرض تکفیر وخروج اور تشدد وانتہا پسندی نہ تو اسلام کا منہاج ہیں اور نہ

© rasailojaraid.com
محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

حالات حاضرہ میں کوئی قابل عمل حل ہیں جس سے اسلام کے حق میں مثبت ودائمی اثرات مرتب ہوں ہم ان حالات میں مظلومین سے ہمدردی رکھتے ہوئے اس رویے سے برات کا اظہار کرتے ہیں۔

راقم کی اس طوالانی تقریر کا نتیجہ یہ نکلا کہ میں نے اپنے خطاب میں جو نکات اُٹھائے، بحث کا رخ اُن کی طرف مڑ گیا۔ مفتی محمد خاں قادری صاحب نے اپنے خطاب میں کہا کہ تحریکِ طالبان پاکستان کے حوالے سے اخبارات میں جو کچھ چھپ رہا ہے، اس میں سے بہت کچھ ایسا ہے جو امریکی اور حکومتی ادارے بلاوجہ ان کے نام پر منڈھ رہے ہیں۔ اُن کے نام پر جو کچھ شائع ہوتا ہے، اس میں پوری صداقت نہیں ہوتی۔ پھر اس کے بعد اُنہوں نے تکفیر کے بہت سے اُصول وضوابط پیش کئے۔ ان کے بعد ڈاکٹر احمد نجفی نے بھی شیعہ سنی تکفیر کے ضمن میں فقہی استدلالات اور فقہ جعفریہ کا موقف تفصیل سے پیش کیا۔ بعد ازاں مفتی منصور احمد نے توحید حاکمیت کے بارے میں استدلال کرتے ہوئے اپنے خطاب میں سورۃ النساء کے ایک مکمل رکوع (آیات ۵۸ تا ۶۹) کا خلاصہ پیش کیا اور قرآن وسنت کے مطابق اپنے فیصلے نہ کرنے والوں کو قرآن کی زبان میں طاغوت اور ظالم قرار دیا۔ اس کے بعد مولانا زاہد الراشدی کا اختتامی خطاب تھا۔ مولانا زاہد الراشدی کے خطاب کا خلاصہ یہ ہے کہ

ہمارے اندر یہ علت پائی جاتی ہے کہ ہم ہر مسئلے میں شروع سے بات کا آغاز کر دیتے ہیں، جبکہ یہ مسائل پہلے بھی پیش آ چکے ہیں اور ہر مسئلہ میں اکابر ملت پہلے ایک واضح موقف اپنا چکے ہیں۔ آج ہم آغاز کے مرحلے پر نہیں کھڑے بلکہ پاکستان کے علمائے اسلام نے قرار دادِ مقاصد اور جملہ مکاتبِ فکر کے ۳۱ علما نے ۲۲ نکات پیش کئے ہیں۔ ۱۹۷۳ء کا متفقہ دستور پیش ہو کر علمائے اسلام کا اتفاق حاصل کر چکا ہے۔ اس کے بعد ہمارے علما نے قانونی ودستوری جدوجہد کا راستہ پوری محنت وتدبیر کے ساتھ اختیار کر رکھا ہے۔ اندریں حالات پاکستانی علما کا جمہوریت پر اتفاق ہو چکا ہے۔ اس بنا پر جمہوریت کو ہی ناقابل قبول بنا دینا، بحث کو نئے سرے سے شروع کر دینے کے مترادف ہے جو وقت کا ضیاع ہے۔ چنانچہ انہی حالات میں رہتے ہوئے ہمیں خروج کے مسئلے کا شرعی حل تلاش کرنا چاہئے۔

اُنہوں نے خلافتِ راشدہ سے اپنے موقف کا استنباط کرتے ہوئے وضاحت فرمائی کہ سیدنا ابو بکر صدیق کی خلافت سے اس اہم سوال کا جواب ملتا ہے کہ حکمرانی کیا جبر کی بنا پر حاصل ہو گی یا عوامی رائے کی بنا پر؟ مزید بر آں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کی اساس عوام الناس کا اعتماد ہی تھا اور یہی جمہوریت ہے۔ اس عوامی اعتماد کی بنا پر ہی سیدنا عبد الرحمٰن بن عوف نے سیدنا علی کی بجائے اُنہیں خلیفہ نامزد کیا۔ غرض حکومت کا حق عوام کے منتخب نمائندوں کو ہے۔ اُنہوں نے اپنے خطاب میں پاکستانیوں کے انتہاپسندانہ سماجی رویوں کی اصلاح کی ضرورت پر بھی زور دیا کہ ہم جب تک کسی پر کفر، غداری یا وطن دشمنی کا فتویٰ نہ لگالیں، ہمارے اختلاف کے تقاضے پورے ہی نہیں ہوتے۔ اُنہوں نے یہ وضاحت بھی کی کہ یہ دعویٰ نظر ثانی کا محتاج ہے کہ خیر القرون میں کسی کی تکفیر نہیں ہوئی، حالانکہ مانعین زکوٰۃ کی

© rasailojaraid.com
محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

شہادتین کے اقرار کے باوجود تکفیر ہوئی اور اُس کے بعد ہی ان سے جنگ کی گئی تھی۔ اپنے خطاب کے آخر میں اُنہوں نے اکابر کے فیصلے کا احترام کرنے کی تلقین کرتے ہوئے ایک بار پھر کہا کہ ۲۲ نکات پر علما نے اتفاق کر کے جمہوریت اور اسلام کی راہ ہموار کی تھی، ہمیں اس سے انحراف نہیں کرنا چاہئے، یہی ماضی، حال اور مستقبل میں سلامتی کا راستہ ہے!!

راقم نے اُن کے خطاب کے بعد منتظمین سے اجازت طلب کر کے اپنی معروضات پیش کیں:

① میں اس مجلس مذاکرہ کا شکر گزار ہوں کہ اس کے ذریعے ہمیں ایسی شخصیات سے تبادلہ خیال اور استفادہ کرنے کا موقع میسر آیا جن کی ملی خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ ان کی مساعی دینیہ اور جہودِ طیبہ کے سامنے ہماری نگاہیں ادب واحترام سے جھک جاتی ہیں، لیکن مکالمہ کا حسن ہی یہ ہے کہ متبادل نکتہ نظر کو پوری وضاحت سے پیش کیا جائے اور میں مکالمہ کے اس حق سے ضرور فائدہ اُٹھاؤں گا۔ مولانا راشدی نے سیاسی تکفیر وخروج کی بحث میں جو استدلال پیش کیا ہے، مجھے اس سے اتفاق نہیں ہے۔ کیا میں یہ تسلیم کرلوں کہ پاکستان کے علما نے خلافت کو منسوخ قرار دے کر جمہوریت کو اس کا متبادل ہونے پر اتفاق کر لیا ہے! میں اس سے قبل اپنا موقف تفصیل سے پیش کر چکا ہوں جس میں جمہوری قانونی جدوجہد کو میں نے حالات کا جبر قرار دیتے ہوئے، اسے ایک ممکنہ سیاسی جدوجہد ہی باور کرایا ہے۔ مولانا نے اکابر کی رائے کے احترام کی بات ہے جبکہ ہمارے پڑوس میں جب علماے احناف کو جہادِ افغان کے بعد اپنے زورِ بازو سے افغانستان میں حکومت ملی تو طالبان کے حنفی اکابر نے وہاں جمہوری نظام کی بجائے 'امارتِ اسلامیہ افغانستان' کے نام سے نظام امارت اختیار کیا۔ مجھے یہ بیان کرنے میں کوئی باک نہیں کہ اسلامی نظام کی برکات سے جس تیزی سے افغان معاشرہ مستفیض ہوا، اس کی مثال موجودہ سیاسی تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے۔ ملتِ اسلامیہ کی حالیہ تاریخ میں دو ہی جگہ اسلامی نظام کی برکات سامنے آئیں: افغانستان اور سعودی عرب میں اور دونوں جگہ جمہوریت موجود نہیں تھی۔ اس لئے اکابر ملت ہوں یا فقہاے عظام، ان کا حوالہ دے کر خالص اسلامی نظام خلافت کا مقام جمہوریت کو عطا نہیں کیا جاسکتا۔ یوں بھی اکابر کا حوالہ دے کر قرآن وسنت سے استدلال کے سلسلے کو ختم نہیں جاسکتا۔ جمہوریت ایک غیر اسلامی نظام ہے اور اسمیں خروج کی بحث کرنا ایک کارِ لاحاصل ہے۔

② جہاں تک پاکستان میں اسلامی قانون سازی یا جمہوریت کے حق قانون سازی کا تعلق ہے تو یہ نشاندہی کرنا بھی ضروری ہے کہ تیرہ صدیوں کی اسلامی تاریخ کسی بھی قانون سازی سے محروم رہی ہے۔ مسلمانوں میں سب سے پہلے قانون سازی کا رویہ فرانس کی اتباع میں سلطنتِ عثمانیہ کے آخری ادوار میں 'مجلہ احکام عدلیہ' کی صورت نظر آتا ہے۔ میثاقِ مدینہ جسے اسلامی دستور قرار دیا جاتا ہے، اگر کوئی مستند دستاویز ہے بھی تو وہ یہود کے مدینہ منورہ میں قیام تک ہی مؤثر رہی۔ جب

© rasailojaraid.com
محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

یہود نے وعدہ خلافیاں کیں اور قرآن نے اُن کے خلاف نبی کریم ﷺ کو جہاد کا حکم دیا اور وہ مدینہ منورہ سے نکل گئے تو اُس کے بعد یہ دستاویز مؤثر نہیں رہی۔ بعض دانشوروں کا خلافتِ راشدہ اور بعد کے ادوار میں اس میثاق کو دستورِ اسلامی قرار دینے کا نظریہ سراسر حقائق سے لاعلمی ہے۔ اسلامی تاریخ میں سلطنتِ عثمانیہ کے مجلہ احکام عدلیہ کی قانونی تشکیل وہ پہلا مرحلہ ہے جب قرآن وسنت کی بجائے انسانوں کے بنائے یا تجویز کردہ قانونی الفاظ معیارِ عدل قرار پائے لیکن ڈیڑھ سو سال کی حالیہ مسلم تاریخ شاہد ہے کہ قانون سازی اور جمہوریت نوازی کے اس رجحان کے نتیجے میں کسی بھی ملک کو اسلام کی برکات نصیب نہیں ہو سکیں۔ یہی قانون سازی بعد میں پورے انسانی قانون کی بنیاد بنتی ہے، جو آخر کار طاغوت تک جا پہنچتی ہے۔ واضح رہے کہ احناف کے ہاں بھی خلیفہ کی نیابت کرتے ہوئے تعزیرات کے باب میں مباحات کے مابین کسی ایک مباح کو مستقل قانون سازی کے طور پر اختیار تو کیا جاسکتا ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ شریعت کے وہ میدان جہاں واضح اسلامی احکامات موجود ہوں، ان کو نظر انداز کر کے وہاں مستقل انسانی قانون سازی کا راستہ ہی اختیار کر لیا جائے، یہ سراسر ناجائز ہے۔

- جہاں تک حضرت راشدی صاحب نے عوامی اعتماد کی بات کی ہے تو اس امر میں کوئی شبہ نہیں کہ خلافتِ اسلامیہ میں عوامی اعتماد کو بھی ملحوظِ خاطر رکھا جاتا ہے لیکن اگر عوامی اعتماد ہی انتخابِ امیر کی اساس ہے تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ جمہوریت اور خلافت میں حدِ امتیاز کیا ہے؟ خلافت دراصل اللہ کے دین کے نفاذ کے لئے قائم ہوتی ہے۔ وہ مسلمان فرد جو دین الٰہی کے قیام اور دفاع کے لئے علم وعمل کے لحاظ سے اَصلح ہو، اس کو اہل حل وعقد خلیفہ بناتے ہیں، جس کی بعد میں عامۃ المسلمین بیعت کرتے ہیں۔ اس مرکزی نکتہ کے بعد میسر افراد میں جس شخص کو عوامی اعتماد بھی حاصل ہو، اُس کو بھی ایک وزن دیا جاتا ہے۔ اگر عوامی حاکمیت کا اسلام میں اتنا ہی اعتبار ہے تو پھر نبی کریم ﷺ نے کفر واسلام کا نکھار کئے بغیر مکہ مکرمہ میں حاکمیتِ عوام قائم کیوں نہیں کر دی تھی؟ بلکہ دراصل آپ ﷺ نے اللہ کی بندگی میں چلنے والا ایک پورا معاشرہ قائم کیا، خلیفہ کے ذریعے اس کو تحفظ دیا، جزا وسزا کا نظام نافذ کیا اور اس کے بعد عوامی اعتماد کو بھی پیش نظر رکھا۔ دوسرے الفاظ میں کہا جاسکتا ہے کہ جمہوریت میں تو عوامی انتخاب واعتماد ایک مرکزی قوتِ محرکہ کے طور پر موجود ہوتا ہے جبکہ خلافتِ اسلامیہ میں نفاذِ شریعت اسی مقام پر ہوتا ہے اور عوامی اعتماد انفعالی درجے میں موجود ہوتا ہے۔ انتخابِ امیر کا فیصلہ محض عوامی اعتماد کی بنا پر نہیں کیا جاسکتا تاہم شریعت کو نافذ کرنے کی صلاحیت رکھنے والے فرد میں اُس کو بھی دیکھا جاتا ہے۔

© rasailojaraid.com
محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

مولانا زاہد الراشدی نے راقم کے اس تبصرہ پر یہ ارشاد فرمایا کہ اوّل تو قاضی ابو یوسف ﷫ کی 'کتاب الخراج' اسلام میں قانون سازی کی ایک درخشندہ مثال ہے۔ نیز سیدنا ابو بکر کا انتخاب بھی جمہوریت کے حق عوام کی نشاندہی کرتا ہے۔ بعد ازاں مجھے فرمانے لگے کہ افغانستان و سعودی عرب کے حوالے سے جو بات آپ نے کہی ہے، اس میں حالات کا فرق ہمیں ضرور ملحوظِ خاطر رکھنا چاہیے۔

یہاں قارئین محدث پر یہ واضح رہنا چاہیے کہ 'کتاب الخراج' تو فقہی احکام و مسائل کی ایک کتاب ہے، اس میں دفعہ اور شق وار کوئی قانون نہیں ملتا جس کی پابندی ملتِ اسلامیہ پر سرکاری طور پر واجب ہو۔ پھر سیدنا ابو بکر کے انتخاب کی پوری تفصیلات کو دیکھا جائے تو وہ خالصتاً خلافتی انتخاب تھا، اس سے قبل کوئی ووٹنگ نہیں ہوئی تھی۔[1] مولانا راشدی نے سعودی عرب وافغانستان کے بارے میں حالات کے فرق کا موقف اپنا کر میرے ہی موقف کو تقویت دی کہ اسلام کا اصل نظام خلافت ہی ہے جسے امارتِ اسلامیہ افغانستان نے اختیار کرنے کی اُصولی طور پر کوشش کی ہے اور سعودی عرب نے بھی بعض سیاسی کوتاہیوں کے باوجود اسلام کا نظام عدل یعنی قرآن و سنت کو براہِ راست علما قضاۃ کے ذریعے نافذ کر رکھا ہے۔ اور پاکستان میں ہونے والا قانون سازی کا تجربہ دراصل حالات کا جبر ہے، اس بنا پر یہ دعویٰ نہیں کیا جاسکتا ہے کہ علمانے جمہوریت کو ہی اسلام کا مثالی نظام باور کرلیا ہے۔ اندریں حالات علما کی تمام دستوری جدوجہد حالات کے جبر میں ممکنہ گنجائش سے ہی عبارت ہے۔ اس بنا پر خروج وغیرہ کی بحثیں یا اہل ذمہ وغیرہ کی گفتگو، یہ تمام چیزیں جمہوری نظام میں خلطِ مبحث ہی ٹھہرتی ہیں۔

دوسری نشست: پاکستانی سیاست کے تناظر میں خروج کا مسئلہ

مکالمہ کی دوسری نشست کا موضوع خروج اور اس سے متعلقہ مباحث تھیں۔ مکالمہ کے میزبان جناب حافظ عمار ناصر نے یہ بنیادی سوال قائم کیا کہ اگر خروج و تکفیر درست حکمتِ عملی نہیں تو پھر اس کا متبادل کیا ہونا چاہیے؟ اس پر براہِ راست گفتگو کی ضرورت ہے۔

مفتی منصور احمد صاحب نے فرمایا کہ پہلی نشست کے خاتمے تک یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ خروج کی بحث موجودہ جمہوری تناظر میں نہیں کی جاسکتی۔ خروج کے بارے میں سرحدی علاقوں میں ہونے والے ظلم و ستم کا تذکرہ پوری شدت سے کرتے ہوئے اُنہوں نے کہا کہ اس جدوجہد کو شرعی مباحث کی بجائے ایک خالص ردعمل کے تناظر میں دیکھنا چاہیے جس طرح بلوچستان کے عوام کی جدوجہد کو دیکھا جاتا ہے۔

1 تفصیل کے لئے دیکھیں: "خلفاے راشدین کا تعین شورائی تھا۔" محدث: جون ۲۰۰۹ء، ج ۴۱، عدد ۶

© rasailojaraid.com
محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

جماعتِ اسلامی کے ڈاکٹر فرید احمد پراچہ اس موقع پر تشریف لائے اور اُنہوں نے کہا کہ اس نوعیت کی عالمانہ بحثوں میں صرف علما کو مدعو کر لیا جاتا ہے، حالانکہ علما پہلے بھی ان مسائل کو جانتے ہیں۔ اس بحث کا مؤثر تر فریق حکومتِ وقت ہے اور اُن کے نمائندے بھی ایسے مذاکروں میں ضرور ہونے چاہئیں تاکہ دوطرفہ موقف سنا سنایا جائے اور افہام و تفہیم کی فضا پیدا ہو۔ اُنہوں نے حکمرانوں کے مظالم کا تذکرہ کرتے ہوئے سرحدی عوام کی اس جدوجہد کو اُن پر ہونے والے ظلم وستم کا ردِ عمل قرار دیا اور کہا کہ ان حالات میں جمہوری جدوجہد سے ہی سیاسی جبر واستبداد کا خاتمہ کیا جاسکتا ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ ترکی، فلسطین اور الجزائر میں جمہوری عمل کے نتیجے میں اسلام پسند کامیاب ہو چکے ہیں۔ اور وقت آرہا ہے کہ عوامی لہر کو عالمی استعمار مزید دبانے میں کامیاب نہیں رہے گا۔

ان کے خطاب کے بعد جناب صاحبزادہ طاہر محمود اشرفی نے اپنے خیالات کا اظہار کیا، ان کا خطاب جنرل پرویز مشرف کے اقدامات کی جزوی تائید اور اہل تکفیر کی مذمت کے ساتھ ساتھ اسلامی موقف کو واضح کرنے کی ضرورت پر مبنی تھا۔ اس خطاب میں دونوں طرف کے دلائل پائے جاتے تھے جسے نامعلوم کس مہارت سے اُنہوں نے ایک ہی نشست میں جمع کر دکھایا۔ ان کے خطاب کے بعد علامہ احمد علی قصوری نے ان کو آڑے ہاتھوں لیا اور اُن کے ماضی اور حال کے سیاسی کردار کا ایک نقشہ پیش کیا۔ یہ دونوں خطابات چونکہ گذشتہ دس سالہ دور کی سیاسی کشمکش کا نقشہ پیش کر رہے تھے، اس لئے ایک علمی مباحثہ میں ان سے صرفِ نظر کیا جاتا ہے۔ راقم کا خروج کی شرعی حیثیت پر کیا موقف تھا؟ اس کی تفصیل کو بھی بوجہ طوالتِ مضمون کسی اور موقع پر پیش کیا جائے گا۔

الغرض 'پاکستان انسٹیٹیوٹ آف پیس سٹڈیز' کے زیر نظر مکالمہ خروج و تکفیر کے پیش نظر جس دہشت گردی کی مذمت تھی جیسا کہ ان کے لائحۂ بحث سے مترشح تھا، تو راقم نے تکفیر کو غلط شرعی منہاج قرار دیتے ہوئے، اس طرف حاضرین کو توجہ دلائی کہ ہمیں صرف نتیجہ کی بجائے، وجوہات اور اسباب کو بھی پیش نظر رکھنا چاہئے اور ظلم کے حقیقی اسباب کے خاتمے کی مؤثر جدوجہد کرنی چاہئے، اسی طرح اس ظلم کے نتیجے میں جو لوگ شہید ہو رہے ہیں، ان سے بھی ہمدردی رکھنا ہمارا ملّی فریضہ ہے۔

اسلام آباد میں ہونے والے تیسرے مذاکرہ کی روداد اور اس میں اُٹھائے جانے والے سوالات کی تفصیل آئندہ شمارہ میں ملاحظہ فرمائیں۔ ان شاء اللہ (ڈاکٹر حافظ حسن مدنی)

حرفِ اعتذار

محدث کا یہ شمارہ دسمبر ۲۰۱۱ء اور جنوری ۲۰۱۲ء کا مشترکہ ہے۔ اس لئے ضخامت معمول سے زیادہ ہے۔ ادارہ

© rasailojaraid.com
محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ